امیر المؤمنین، مجاہد اعظم، حضرت اقدس

سیّد احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ

از

محمد سعید خان

حسبِ ارشاد:

حضرت مولانا محمد عبد اللہ مدظلہٗ
خطیب مرکزی جامع مسجد اسلام آباد۔ پاکستان

ناشر: حاجی سلطان محمود
صرافہ بازار ۔۔۔ راولپنڈی

یکے از مطبوعات ندوۃ الفتیان راولپنڈی

انتساب

پیارے دوست

مجاہد اور غازی

ڈاکٹر عابد شریف

کے نام !

ہے شباب اپنے لہو کی آگ میں جلنے کا نام
سخت کوشی سے ہے تلخ زندگانی انگبیں

"اقبال"

پیش لفظ

حضرت اقدس سیدی و مربی حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب مدظلہم العالی نے اس ناکارۂ خلائق کو حکم دیا کہ ایک چھوٹا سا رسالہ سید صاحبؒ کے حالات و واقعات کے متعلق لکھ دے جس میں ان کی جہاد کی کارکردگی اور مطاعن کا جواب لکھ دیا جائے اور پڑھنے میں بھی آسان ہوتا کہ سید صاحب کی زندگی کا مختصر خاکہ ہر قاری کے ذہن میں آجائے۔

اس ناچیز اور بے بضاعت انسان کو اوّل تو لکھنا ہی دشوار تھا پھر لکھا بھی جاتا تو چھپوانے کا بھی مسئلہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے سارا بندوبست فرما دیا۔

حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب مدظلہ کی توجہ نے لکھوایا اور حاجی

سلطان محمود صاحب نے چھپوانے کی حامی بھری۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دیں، بس اس رسالہ کو لکھنے سے مقصد یہ ہے کہ سید صاحبؒ کی روح جہاد کو زندہ کیا جائے کیونکہ جو قوم اپنے شاندار ماضی کو بھول جاتی ہے یا اسکا ماضی اس کی نظروں سے اوجھل کرنے کی کوشش کامیاب ہو جاتی ہے تو وہ قوم ترقی کی بجائے تنزل کا راستہ اختیار کر لیتی ہے۔

محمد سعید خان بن محمد حنیف خان
C-162/0 محلہ جھنگی جدید، مری روڈ
راولپنڈی — پاکستان

یکم رجب ۱۴۰۱ ہجری
۶۔ مئی ۱۹۸۱ عیسوی

اللہ تعالیٰ نے جس طرح بنی نوع انسان کی ظاہری صورتوں کو ایک دوسرے سے مختلف تخلیق کیا، اسی طرح ان کے قلوب و اذہان کو بھی متفرق بنایا ہے۔ ایک انسان ایک چیز کو ایک طریقہ سے سوچتا ہے تو دوسرا دوسرے طریقے سے۔ فکر کا یہ انداز بتاتا ہے کہ کس انسان کی پرواز کہاں تک ہے، بعض تو ساری کائنات کو بھی خاطر میں نہیں لاتے اور بعض دنیا کے عارضی مفاد کی خاطر ہر چیز کو داؤ پر لگانے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہین کا جہاں اور

تاریخ پر نگاہ دوڑایئے تو پتہ چلے گا کہ جب بھی یہ شاہین صفت ہستیاں عالمِ وجود میں آئی ہیں، ہمیشہ تاریخ ساز ثابت ہوئی ہیں، انہوں نے معاشرے کا اثر قبول کرنے کی بجائے خود سارے معاشرے کو بدل ڈالا ہے، اور اگر زمانہ ناموافق تھا، حالات نامساعد تھے، وقت خلاف تھا

تو انہوں نے ان تمام باتوں میں سے کسی ایک کی بھی پرواہ کئے بغیر اسباب و وسائل کی قلت وکثرت سے قطع نظر، ایسی کارکردگی دکھائی کہ تاریخ کا رخ موڑ دیا۔ ایسی عبقری شخصیات نہ تو روز روز قوموں کی تاریخ میں جنم لیتی ہیں اور نہ ہی وہ اتنی عام ہوتی ہیں کہ جب وہ اس کائنات سے اٹھ جائیں تو ان کا خلا بآسانی پُر کیا جا سکے۔ برسہا برس گزرتے ہیں اور قرنہا قرن لگتے ہیں تو کہیں ایک نابغہ روزگار، نادر زمانہ اور عدیم الوجود ہستی جنم لیتی ہے۔ انہی نایاب وبے عدیل شخصیات میں سے ایک شخصیت امیر المؤمنین، امام المتقین، سید المجاہدین حضرت اقدس السید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تھی۔

پیدائش

آپ ۱۲۰۱ھ بمطابق ۱۷۸۶ء میں تکیہ شاہ علم اللہ رائے بریلی میں پیدا ہوئے ــــ آپکے نانا شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ حضرت اقدس شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مخصوص تلامذہ اور مجازین میں سے تھے ــــ جود و سخا فطرت ثانیہ بن چکا تھا ــــ ایک مرتبہ کسی نے ایک لاکھ روپیہ ہدیتاً پیش کیا تو شاہ ابو سعیدؒ نے وہ روپیہ گھر سے باہر رکھوا دیا اور وہیں کھڑے کھڑے حاجتمندوں میں تقسیم کر کے ہاتھ جھاڑ کر گھر میں داخل ہوئے۔

سید صاحب کے ماموں شاہ ابواللیثؒ جو سلطان ٹیپوؒ کے معاصرین میں سے تھے حضرت اقدس شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے چند تلامذہ میں گنے جاتے تھے ـــــ الغرض سارا خاندان ہی گوناگوں صفات کا مالک تھا. اور رائے بریلی کے چند ایک گنے چنے علمی اور روحانی خاندانوں میں شمار کیا جاتا تھا.

سید صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ابتدا ہی سے فطرتِ سلیمہ عطا فرمائی تھی اور آپ کی اوائل عمری کے واقعات اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ قدرت اپنے بندوں کو یہ بتانا چاہتی تھی کہ آج کی چنگاری کل شعلہ بنے گی اور یہ بچہ جو سارے محلے کے کام کرتا ہے اور خدمت خلق میں اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم فداہ امی وابی کے نقش پا کو حرزِ جان بنائے ہوئے ہے اسی سے اس دیار ہند کی تقدیر بدلی جائے گی.

تربیت

سید صاحب کو اللہ تعالیٰ نے خوب صحت عطا فرمائی تھی ـــ جسم مبارک بھی بالکل مجاہدوں کا عطا ہوا تھا. روزانہ صبح اُٹھ جاتے پانچ سو ڈنڈ لگاتے اور وہ مگدر جو آپ چلایا کرتے تھے اسکا وزن ڈیڑھ من کے لگ بھگ تھا. وقت کے ساتھ ساتھ یہ تمام ورزشیں ترقی کرتی چلی گئیں لیکن طبیعت

علم کی طرف مائل نہ ہو سکی۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت اسی میں تھی کہ اپنی حکمت کاملہ اور قدرت بالغہ سے انہیں امام المجاہدین بنائیں۔ اچھے اچھے سرکردہ اور برسرِ روزگار علما کو ان کے جوتے اٹھانے کی سعادت نصیب ہو اور نہ صرف یہ بلکہ خود انہیں بھی ان لوگوں کے زمرہ میں داخل فرمادیں جن کے بارے میں کہا گیا کہ وَعَلَّمْنٰهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا۔ اور ہم نے انہیں اپنے پاس سے علم عطا کیا تھا۔

جوانی کی حدود میں داخل ہوئے، عمر مبارک کو تقریباً سترھواں برس لگ رہا تھا کہ والد محترم کی وفات کا سانحہ آپڑا۔ پہلے تو وہ کھیل تھے اب ذریعہ معاش خود تلاش کرنا پڑا اور اسی قصد سے لکھنؤ روانہ ہوئے۔

لکھنؤ کا سفر

بظاہر لکھنؤ کا سفر تلاش معاش کا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کو درحقیقت اپنے اس مخلص اور مقرب بندے کی اعلیٰ پیمانے پر تربیت منظور تھی۔ لکھنؤ میں امیر علی خان کی فوج میں ملازمت اختیار کرلی اور وہ مجاہدانہ ذوق جو قدرت نے فطرت میں ودیعت کردیا تھا خوب پھلا پھولا۔ فوج کے بہترین سپاہی تھے لیکن ساتھ ساتھ انتہا درجہ کا تقویٰ بھی تھا کیونکہ آپ اس راز کو سمجھ چکے تھے کہ: اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ۔ اللہ متقی لوگوں کے ساتھ ہیں۔

سوانح احمدی میں لکھا ہے کہ حضرت کے ورع و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ اپنے

گھوڑے کو فوج کے گھوڑوں سے بالکل الگ رکھتے اور نہ صرف اُسکے دانے اور چارے میں احتیاط برتتے بلکہ گھوڑے کو ایسا سدھا لیا تھا کہ وہ بے زبان جانور بھوکا رہنا تو گوارا کر لیتا تھا مگر کسی کے کھیت میں مُنہ ڈالنا اسے کبھی گوارا نہ تھا۔ آپ جیسی آزاد طبیعت کا انسان ملازمت کا متحمل کہاں ہو سکتا تھا' نتیجہ یہ کہ کچھ ہی عرصہ بعد اس ملازمت کو خیرباد کہہ دیا اور فقرو فاقہ کی نسبت کہ جس سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خاص اُنس تھا حاصل ہو گئی۔ کئی ماہ اسس حال میں گزرے اور بالآخر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے وقت کے نایاب اور جید عالم دین تھے، کی خدمت میں حاضر ہو گئے لیکن تعجب کی بات ہے کہ خود تو فقرو فاقہ کا یہ عالم تھا اور غرباء و مساکین کے لئے مالی امداد میں بھی کوئی کسر نہ اُٹھا رکھتے تھے، سچ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے :

اَلْغِنَىٰ غِنَىُ النَّفْسِ ۔ امیر وہ ہے جس کا دل امیر ہے۔

امیر علی خان سے سید صاحب کیوں علیحدہ ہوئے اسکی وجہ فقط نظریاتی اختلاف تھا اور سید صاحب جو نظریہ اور اصول کے آدمی تھے اختلاف کرنے میں حق بجانب تھے۔ باوجود اسس اختلاف کے امیر آپ کا اتنا معتقد تھا کہ اسس نے اپنے لڑکے کو حضرت کو باحفاظت دہلی تک پہنچانے کے لیے مقرر کیا۔

شاہ عبد العزیزؒ سے ملاقات

۱۸۱۶ء میں آپ دہلی تشریف لے آئے۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے صحیح جانشین اور ان کے بیٹے حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ باقاعدہ مولوی تو نہ بنے البتہ اس بیعت سے جو روحانی فیوض و برکات حاصل ہوئے ان کا اندازہ صرف اس بیان سے لگا لینا کافی ہے جو آپ کے شیخ حضرت شاہ عبد العزیزؒ نے لکھا ہے:

"ایشان در علم تفسیر و حدیث و فقہ و اصول و منطق وغیرہ از فقیر کمتر نیستند، مہر و دستخط ایشان گویا دستخط فقیر است"

ترجمہ: "وہ (سید صاحب، مولانا عبد الحی اور مولانا محمد اسمٰعیل) تفسیر، حدیث، فقہ، اصول اور منطق وغیرہ میں اس فقیر سے کم نہیں ہیں، ان کی مہر اور دستخط گویا فقیر کے دستخط ہیں۔"

اور جب اسکے بعد حضرت سید صاحب کو خلافت عطا فرمائی گئی تو آپکے مرشد نے اپنے تمام شاگردوں اور مخصوص حضرات کو حکم دیا کہ وہ سب کے سب سید صاحب سے بیعت ہو جائیں اور روحانی کمالات جو حضرت کی ذات بابرکات میں بدرجۂ اتم موجود تھے، ان سے استفادہ کریں۔ سید صاحب اس تمام جماعت میں سب سے زیادہ بہترین انسان تھے اور حضرت شاہ عبد العزیزؒ کا سبھی حضرات کو سید صاحب کی بیعت کا حکم دینا نہایت مناسب اور ضروری تھا کیونکہ یہ امول

ہے کہ جس کو امیر مانا جائے اسکی اطاعت لازم ہو جاتی ہے ، تو جب ان تمام حضرات نے سید صاحب کو شیخ مان کر ان سے تربیت حاصل کرنا شروع کی تو یہ شانِ امارت اور نظم و ضبط جو کامیابی کا بنیادی زینہ ہے خود بخود حاصل ہو گیا ۔ ان بیعت ہونے والے حضرات میں سے مناسب ہے کہ دو ہستیوں کا خصوصی طور پر تعارف ہو جائے کیونکہ وہ دونوں اسکے بعد کی تمام زندگی میں سید صاحب کے یارِ غار رہے اور ان کی حرکات و سکنات ، اقوال و افعال ، عملیات و نظریات یوں ہی سید صاحب سے متصل تھے جیسے انگوٹھی اور انگلی کی حرکت متصل ہوا کرتی ہے ۔

۱۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ

آپ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے اور حضرت شاہ عبد الغنی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند تھے ۔ شاہ عبد العزیزؒ نے خصوصی طور پر تربیت فرمائی تھی اور جسے ایسی عظیم نسبتیں حاصل ہوں اس کی بابت کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے ۔

چچا کی ہدایت پر حضرت سید صاحب سے بیعت ہوئے اور بعد میں اجازت سے بھی مشرف ہوئے ۔ تفسیر ، حدیث ، فلسفہ ، فقہ اور ریاضی جیسے جلیل القدر علوم میں مہارت تامہ حاصل کی ، اور ان سب باتوں کے

ساتھ ساتھ شمشیر زنی اور تیر اندازی کی تربیت بھی اونچے پیمانے پر حاصل کر چکے تھے۔ اُمّتِ محمّدیہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ والثنا کی اصلاح کی فکر قلب و رُوح پر کس قدر چھائی ہوئی تھی اُسکا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ دہلی میں اُس طوائف الملوکی کے دَور میں دہلی کی ایک نہایت دولتمند اور زندہ دل طوائف موتی کے ہاں دہلی کی سرکردہ طوائفوں کی دعوت تھی، شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کو علم ہوا تو آپ عازِ عشا پڑھ کر تشریف لے گئے بالکل پھٹا پُرانا فقیروں جیسا لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ دروازے پر کھڑے ہو کر صدا لگائی۔ تو اندر سے موتی نے کچھ رقم خادمہ کے ہاتھوں بھجوادی کہ فقیر کو دے دے۔ خادمہ نے جب حضرت کو یہ رقم دی تو حضرت نے فرمایا اپنی بی بی سے کہو کہ فقیر کو صدا لگانے کی عادت ہے جب تک اپنی صدا نہ سنائے اس وقت تک کچھ نہیں لیتا۔ موتی کو خادمہ نے سارا قصہ کہہ سنایا۔ فقیر کو اجازت مل گئی کہ وہ اندر آجائے۔ موتی کا خیال تھا کہ اس محفلِ طرب و نشاط میں ایک فقیر کا اضافہ مزید ہنسی کا سبب بنے گا اور محفل زعفران زار بن جائے گی لیکن فقیر جب اندر آیا تو بیٹھ گیا اور اپنی صدا لگانی شروع کی۔ سورۃ "والتین والزیتون" کی تفسیر اس قدر پُراثر طریقے پر بیان کی کہ فقیر کی صدا نے دل کے دروازے کھول دیئے موتی نے توبہ کے لئے درخواست دی اور حضرت اقدس سے بیعت کے بعد خود معہ اپنی ساری جماعت کے تائب ہو گئی اور بقیہ تمام عمر پاکدامنی اور عفت

سے بسر کر دی۔

آپ سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے آٹھ سال بڑے تھے اور اپنے پیر و مرشد کے ساتھ ہی جہاد فرما کر شہادت سے سرفراز ہوئے۔ حضرت شاہ صاحب پر مطاعن کا جواب آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔

۲۔ شیخ الاسلام مولانا عبدالحی نور اللہ مرقدہٗ

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایسے مایہ ناز شاگرد ہیں کہ خود استادِ مکرم نے شیخ الاسلام کے لقب سے ملقب فرمایا — دیلئے علم کے درخشاں ماہتاب تو تھے ہی اپنے پیر و مرشد کی بیعت کے بعد جب بجانہ ہوئے تو چار چاند لگ گئے۔ مرید و مرشد دونوں کس قدر باصفا تھے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب حضرت سید صاحب نے فرمایا کہ آپ عالم ہیں اور اگر مجھ سے کوئی بات خلافِ سُنّت سرزد ہوتی دیکھیں تو مجھے تنبیہ فرما دیں، تو حضرت شاہ عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کا جواب سننے کے قابل تھا۔ نہایت ادب سے عرض کیا کہ حضرت! جس دن آپ سُنّت کے خلاف عمل کریں گے عبدالحی اس وقت آپکے ساتھ ہوگا کہاں؟ (یعنی اس سے پہلے ہی ساتھ چھوڑ دونگا)۔ تمام عمر اپنے مرشد و مربّی کی خدمت میں رہے۔ جب خلافت قائم کی گئی تو قاضی وقت مقرر کیا گیا لیکن چند دن بیمار رہنے کے بعد جہاد کے آغاز سے قبل ہی حیات فانی اختتام پذیر ہوئی۔

اب جبکہ سید صاحب نہ صرف خلافت سے سرفراز ہو چکے تھے بلکہ شاہ اسمٰعیلؒ اور مولانا عبدالحیؒ جیسے سرکردہ علماء کے مرشد و مربی بھی بن چکے تھے تو اب وقت آ گیا تھا کہ وہ انقلاب جس کا طریق کار حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے وضع کیا تھا اور جس کے لئے شاہ عبدالعزیزؒ نے زمین ہموار کی تھی اسے برپا کرنے کی تیاری شروع کی جائے اور اس مقصد کے لئے لوگوں کو جہاد کی دعوت دی جائے، لیکن حالات کا تقاضا تھا کہ اگر اس دعوت کو برسرعام پھیلایا جاتا تو شدید اور سنگین مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ سید صاحب اور ان کے رفقاء نے سماجی اصلاح کے عنوان سے مختلف دوروں کا پروگرام بنایا اور پیش آمدہ سات سالوں میں ملک کے مختلف علاقوں کے دورے کئے۔ سب سے پہلے دورہ کے لئے آپ ۱۸۱۸ء بمطابق ۱۲۳۱ھ کو دلی سے اپنے مریدین کے ساتھ روانہ ہوئے اور نہایت زبردست حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے گو بظاہر تو سماجی اصلاح کا عنوان ہی پیش نظر رکھا لیکن درحقیقت ساری مسلم قوم میں جہاد کی روح پھونک دی، جب آپ دہلی سے روانہ ہوئے تو حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور حضرت عبدالحیؒ کے علاوہ دیگر پچاس مرید آپ کے ہمراہ تھے۔

آپ دہلی سے چلے تو دیوبند اور سہارنپور کے راستے اپنے برادر حقیقی سید

اسحاق صاحبؒ کی وفات کی اطلاع کی وجہ سے رائے بریلی پہنچے اور تقریباً دو مہینہ تک رائے بریلی میں قیام کرکے لکھنؤ تشریف لے آئے۔

میں اس سے پہلے عرض کرچکا ہوں کہ بظاہر تو یہ سماجی اصلاح کا دورؒ تھا لیکن اس کی حقیقت کیا تھی حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"اخلاقی خدمات اور روحانی مشاغل کے ساتھ سپاہیانہ ورزشیں بھی جاری رہتیں۔ قصبہ پھلت چونکہ خاندان شاہ ولی اللہؒ کا اصل وطن تھا وہاں دو ہفتہ سے زیادہ قیام کا موقع ملا تو باقاعدہ مٹی کا ایک تودہ تیار کرایا گیا جس پر نشانہ بازی کی مشق کی جاتی تھی۔ پہلے تقریباً ایک گھنٹہ ورزش ہوتی بدن پر مالش کی جاتی پھر نشانہ کی مشق کی جاتی۔

لکھنؤ میں تقریباً تین ماہ قیام رہا، قیامگاہ سے کہیں تشریف لے جاتے تو بسا اوقات ایک فوجی سپاہی کی طرح پورے ہتھیار لگاکر تشریف لے جاتے۔ ایک روز آپ قندھاریوں کی چھاؤنی میں تشریف لے جارہے تھے، آپ بھی پورے ہتھیار لگائے ہوئے تھے، اور آپکے ساتھی بھی اسی طرح ہتھیار بند تھے۔ عبدالباقی خان صاحبؒ نے آپ کی یہ شان دیکھی تو عرض کرنے لگے حضرت آپ کی تمام باتیں بہت اچھی ہیں، مگر یہ تلوار، بندوق وغیرہ، اسباب جہالت آپکے بدن پر زیب نہیں دیتے، آپ جس خاندان کے چشم وچراغ ہیں یہ اسلحہ بندی

اس کی روایات کے بھی خلاف ہے۔ آپ نے عبد الباقی خان صاحب کے یہ الفاظ سنے غصہ سے چہرہ سرخ ہو گیا، فرمانے لگے جس چیز کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے استعمال کیا آپ اس کو اسباب جہالت کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہتھیار باندھ کر میدان جنگ میں تشریف لے جائیں اور آپ اسلحہ بندی کو شان بزرگانہ کے لئے عار قرار دیں۔ تف ہے اس شان بزرگانہ پر۔"

اس قافلہ کی امتیازی خصوصیات بالکل مزاج نبوت کے عین مطابق تھیں۔ فقر و فاقہ کا غلبہ، لیکن سوال کرنا حرام، سارے قافلہ میں ایک روپیہ بھی نہیں لیکن دل تمام کائنات سے بے نیاز، عیش و طرب کے تمام سامان مفقود لیکن چہرے ہشاش بشاش اور دل زندگی کی امنگ سے بھرپور۔ الغرض بالکل قرون اولیٰ کے حالات پیش آ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مخلصین کی جماعت سے جس عظیم کام لینا تھا ان کی ٹریننگ بھی اسی قدر شدید کی جا رہی تھی کیونکہ قاعدہ ہے کہ:

ع ہوس تا نہ جھوکئے آگ میں مس زر نہیں ہوتا

ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ سید صاحب روحانی تربیت سے بھی غافل نہ تھے۔ بنارس میں پہنچے تو امیر تیمور کے خاندان کے کچھ شہزادوں نے بیعت کی درخواست کی، حضرت نے شرف قبولیت بخشا۔ انہوں نے نہایت اعلیٰ قسم کے کپڑے حضرت کو ہدیہ کئے۔ آپ نے حکم دیا کہ ان تمام کپڑوں کو فروخت

کرکے گاڑھے اور گزی کے تھان خرید لئے جائیں تاکہ تمام اہلِ لشکر کو کپڑا میسر آ
سکے۔ دل کی یہ بے نیازی بلاشبہ انہی کا خاصہ ہوتا ہے جن کی نظر میں دنیا پرِ کاہ
کے برابر بھی نہ ہو۔

سید صاحب کن امور پر بیعت لیا کرتے تھے ان میں سے ایک امر تو سب
سے زیادہ وقیع الشان اور انتہائی اہم تھا اور وہ تھا جہاد جہاد کا کس قدر
خیال رہتا تھا اس کا اندازہ وقائعِ احمدی کے بیان سے ہو سکتا ہے۔

"آپ کو سب سے زیادہ خیال جہاد کا رہتا تھا۔

جسکو مضبوط و توانا دیکھتے، فرماتے یہ ہمارے کام کا ہے، سرائین (ضلع ملتو)
کے شمشیر خان، اللہ بخش، شیخ رمضان اور مہربان خان ملاقات کو آئے۔
چاروں بڑے ڈیل ڈول کے نوجوان تھے آپ اُن کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے
اور کہا کہ ایسے جوان ہمارے کام کے ہیں، پیرزادے لوگ ہمارے کام کے
نہیں اور بہت تعریف کی یہ نوجوان آپکے اخلاق سے بہت متاثر ہوئے
اور آپکے حلقہ میں داخل ہو گئے۔"

اور خود حضرتِ اقدس کی یہ حالت تھی کہ آپ اکثر اسلحہ لگاتے تھے تاکہ
دوسروں کو اس کی اہمیت معلوم ہو اور شوق ہو آپنے ایک مرید کو
تفنگچہ دیا اور کہا جہاد فی سبیل اللہ کی نیت سے ہتھیار لگاؤ، پیٹ
بھر کر کھاؤ اور اسلحہ کے استعمال کی مشق کرو اس سے بہتر کوئی فقیری اور درویشی نہیں۔

یہ بات تو بالکل فطری ہے کہ انسان کے دل میں جس قدر توحید کا جذبہ سماجائے گا، وہ اسی قدر غیر اللہ کے خوف و رجا سے آزاد ہوتا چلا جائے گا کیونکہ اس کے لئے بس ہر حال میں اللہ کافی ہے خواہ وہ اکیلا ہو یا کثرت تعداد میں، غنی ہو یا فقیر جب اسکا ایمان باللہ مضبوط ہو گیا اور دل کا تعلق خوف و رجا غیر اللہ سے کٹ گیا تو دُنیا کی کوئی طاقت بھی اسے اعلائے کلمۃ اللہ سے نہیں ہٹا سکتی اور اس راستے میں جتنے بھی مصائب آئیں اُسکے لئے لطف و احسان کا درجہ رکھتے ہیں کہ محبوب کا عتاب بھی ہر کسی کے لئے کہاں ہوتا ہے۔

سید صاحب کو توحید کا کس قدر خیال تھا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ لکھنؤ میں آپ نے کچھ لوگوں کو بیعت فرمایا اور ان کی درخواست پر بطور تبرک انہیں کچھ رقم عطا فرمائی تو انہیں خاص طور پر نصیحت کی کہ اپنے اپنے گھر کی عورتوں کو ہمیشہ تاکید کرتے رہو کہ کسی قسم کا شرک نہ کریں۔

گو کہنے کو تو یہ سماجی اصلاح کا دورہ تھا لیکن اس دورے نے ملک کے طول و عرض میں ایک جہاد کی لہر دوڑادی مسلمانوں کو بیدار کرنے کی نہایت اہم کوشش اور ہندوستان کو دارالاسلام بنانے کی جدوجہد میں یہ بہت مضبوط کڑی تھی جو سید صاحب کے ہاتھوں پایۂ تکمیل تک پہنچی۔ سید صاحب کے اس دورۂ فیض و برکت کا اثر صرف اسی زمانہ تک نہیں رہا بلکہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب

فرماتے تھے:

"سید صاحب جن قصبات میں تشریف لے گئے وہاں اب تک خیر و برکت ہے۔ گویا وہ ایک نورِ مستطیل تھے جدھر گئے وہ پھیل گیا۔"

سفرِ حج

اس مرتبہ سماجی اصلاح کی بجائے عنوان حج تھا اور پس پشت مقصد وہی کارفرما تھا جو دورۂ اول میں تھا۔ سید صاحب، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، مولانا عبد الحی اور دیگر سینکڑوں علماء رحمہم اللہ جانتے تھے کہ ان حالات میں کہ دو وقت کا کھانا بھی میسر نہ تھا، حج کی فرضیت تو کجا جواز بھی باقی نہ بچا تھا لیکن اس سفر کے پیچھے بھی روحِ جہاد کارفرما تھی۔ اور اس مرتبہ آپ نے تقریباً ... میل کی طویل مسافت اس لئے طے فرمائی کہ جس جہاد کا فیصلہ آپ بہت عرصہ پہلے کر چکے تھے اب حرمین شریفین کی زیارت سے فراغت پر اس ارادے کو عملی جامہ پہنائیں، کیونکہ آپ کے نزدیک وقت کا سب سے اہم تقاضا اور دینِ الٰہی کی بقا کی صورت جہاد ہی میں مضمر تھی۔ آپ ۱۸۲۱ء بمطابق ۱۲۳۶ھ میں رائے بریلی سے روانہ ہوئے حالات شدید ناسازگار تھے لیکن اللہ کے مخلصین کی یہ جماعت اپنا کام کئے جا رہی تھی۔ موسموں کی شدت اور طرائق کی صلابت ان کے مقاصد کے پیش نظر

پہنچ گئی ـــــ سیرت سید احمد شہید میں لکھا ہے:

"اگر کسی کا پاؤں پھسلتا تو وہ شخص کہ خدا کا شکر ادا کرتا اور کہتا کہ تیرے احسان کے قربان کہ تیرے راستہ میں گرا ہوں۔ پچھلی تمام لغزشوں اور بیہودہ حرکتوں کی تلافی بھی ہے کوئی خواجہ حافظ کا یہ شعر حسب حال پڑھتا:

ـــــ در بیابان گر بشوق کعبہ خواہی زد قدم
سرزنشہا گر کند خار مغیلاں غم مخور"

قلعہ الہ آباد اور مرزا پور سے ہوتے ہوئے آپ کلکتے تشریف لائے۔ کلکتہ میں دو ماہ سے زائد تک قیام پذیر رہے۔ سلطان ٹیپو مرحوم کے اہل و عیال کا پرانا تعلق آپ سے تھا انھوں نے بڑے اصرار سے اپنے پاس رکھا اور شاندار دعوتیں کیں۔

بیعت وارشاد

بے نفس کا یہ عالم تھا کہ کلکتہ میں ایک پیر صاحب نے دعوت کی اور راستہ میں پگڑیاں بچھوا دیں تاکہ حضرت ان پر قدم مبارک رکھ کر تشریف لائیں، آپ نے سب پگڑیاں یہ کہہ کر اٹھوا دیں کہ کپڑا پہننے کے لئے ہوتا ہے پامال کرنے کے لئے نہیں۔

اپنے ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ دین متین کی حقیقی صورت کے احیاء کی کوشش بھی فرمائی ــــ تعزیہ داری بند ہوگئی، اور قبر پرستی وغیرہ کی نہایت شدت سے مذمت فرمائی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مخلوق خدا میں سے کثرت سے لوگوں

نے توبہ کی اور اصلاح کی طرف قدم بڑھایا۔

بنگالیوں نے حضرت کے ہاتھ پر کثرت سے توبہ کی اس مجاہد فی سبیل اللہؒ
اپنے وقت کی تاریخ ساز شخصیت اور شاہ عبدالعزیزؒ کے گرانقدر خلیفہ نے کتنوں
کی زندگی کو بدل ڈالا اور کتنوں کے سینوں میں عشق کی آگ جلا ڈالی یہ تو خدائے
علیم وخبیر ہی خوب جانتا ہے لیکن مؤرخین لکھتے ہیں کہ صبح سے رات تک تانتا
ہوتا رہتا اور چونکہ انفرادی بیعت لینا بہت مشکل تھی اس لئے کئی کئی دستاریں
کھول کر بیعت لی جاتی لوگ پگڑی پکڑتے اور الفاظ بیعت زبان سے دہراتے
روزانہ سترہ اٹھارہ مرتبہ یہ عمل ہوتا تھا۔ اندازاً ۴۰،۰۰۰ کے قریب لوگوں نے جناب
کی بیعت کی؛ اور اس کا اثر یہ ہوا کہ بنگال کے قحبہ خانے سرد ہو گئے، شراب اور
تاڑی کی دوکانیں بند ہو گئیں؛ اور کلکتہ میں تو ایک دن بیعت کرنے والوں کا
اس قدر ہجوم ہوا کہ کئی بار یہ اعلان کرنا پڑا کہ ہر وہ شخص جو پگڑی کے کسی حصے
کو صرف چھو ہی لے حضرت کا مرید ہو جائے گا۔

ربیع الثانی ۱۲۳۷ھ کو آپ کا قافلہ جدہ روانہ ہوا، ۲۸ شعبان کو مکہ
مکرمہ اور ۱۵ صفر کو مدینہ منورہ حاضری ہوئی۔ ۱۵ شوال ۱۲۳۸ھ کو
آپ حرمین شریفین سے روانہ ہوئے اور ۱۲۳۹ھ میں بمبئی پہنچے، حج سے فراغت
کے بعد حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کا انتقال ہو چکا تھا اور حضرت سید صاحب
نے دوران حج جبکہ فرائض حج سے پوری طرح فارغ بھی نہیں ہوئے تھے منیٰ کے

کے مقدس مقام پر جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار مدینہ سے بیعت لی تھی آپ نے بھی اپنے ساتھیوں سے جہاد کے لئے بیعت لے لی۔

اور اس بیعت سے پہلے ہی دنیا بدلی ہوئی تھی اور اب تو بقول محمد جعفر تھانیسری:

"سید صاحب کے مکان پر بجائے مراقبہ و مشاہدہ اور توجہ دہی کے فضیلت ہجرت و جہاد کا بیان اور تلوار و بندوق کی صفائی اور قواعد و چاند ماری و گھوڑ دوڑ ہوا کرتی تھی۔ اب بجائے صوفی و درویش ہر شخص سپاہی بن گیا، تسبیح کے عوض ہاتھوں میں تلوار اور قرابین اور خرقہ کی جگہ چست الخالق اور پیچ دار سر بند باندھ ہوگیا۔"

۱۲۴۱/۱۸۲۶ میں آپ نے وطن عزیز کو آخری سلام کیا اور جہاد کے ارادہ سے چل پڑے۔ راجستھان کے صحرا کو عبور کرتے ہوئے سندھ آئے وہاں سے شکارپور اور پھر اسی راستے درۂ بولان کے راستے کوئٹہ پہنچے حاکم کوئٹہ نے بہت عزت افزائی کی لیکن سید صاحب جس مشن پر نکل چکے تھے اسے پورا کرنا مقصود تھا ـــــ کوئٹہ میں بھی نہیں ٹھہرے بلکہ قندھار، غزنی اور کابل سے گزرتے ہوئے پشاور پہنچ گئے۔ یہاں سے چارسدہ کا عزم فرمایا اور جیسے ہی یہاں پہنچے سکھوں سے تصادم ہوگیا۔

وقت کی ضرورت تھی کہ ایک باقاعدہ نظام حکومت ترتیب دیا جائے۔ سو ۱۰ جنوری ۱۸۲۷ء / ۱۲ جمادی الاخریٰ ۱۲۴۲ھ کو سید صاحب کی امارت میں خلافت کا نظام تشکیل دیا گیا۔ اور حضرت سید صاحب نے امیر المومنین کی حیثیت سے حلف اُٹھالیا۔

سید صاحب کی اصل لڑائی سکھوں کے ساتھ تھی اور اس جہاد کا کیا مقصد تھا سید صاحب خود ایک خط میں لکھتے ہیں:

"خدا گواہ ہے ہمارا منشا نہ دولت جمع کرنا ہے نہ اپنی حکومت قائم کرنا، ہم خدائے بالا و برتر کے ناچیز بندے ہیں، نہ بندگانِ خدا پر جبر و قہر کا کوئی وسوسہ ہمارے دل میں ہے اور نہ کسی کی حکومت چھین لینے کا جذبہ ہمارا منشا وطن کو آزاد کرانا ہے اور بس اور وہ اس لئے کہ تقاضائے مذہب بھی ہے اور اسی میں رضائے الٰہی مقصود ہے۔"

لشکر میں عسرت کا یہ عالم تھا کہ جان کے لالے پڑ رہے تھے، مجاہدین کے پاس خوراک کی انتہائی کمی تھی لیکن قوتِ ایمانی نہایت زبردست تھی۔ ایسی بوٹیاں دیکھتے تھے جو بدذائقہ نہ ہوں تو انہیں اُبال کر کھا لیتے تھے۔

عفو و درگزر اور باہمی احترام اتنا کہ ایک مرتبہ سید صاحب کھانا کھا رہے تھے، عبداللہ جو باورچی تھا اس کی بے احتیاطی کی وجہ سے گوشت جل گیا

حضرت کو ناگوار گزرا اور آپکے لئے مردود کا لفظ استعمال فرما دیا۔ ساتھیوں نے حضرت کی توجہ اس لفظ کی طرف دلائی تو فوراً عبداللہ کو بلایا اور اس سے اپنے کیے کی معافی مانگ لی۔ عفت کے پیکر اور حیا کے مجسمے کہ سیرت سید احمد شہید میں لکھا ہے:

"گاؤں کی عورتیں آپس میں باتیں کر رہی تھیں کہ سید صاحب کے ساتھی خواہشات نفس سے محروم ہیں یا اولیاء اللہ ہیں۔"

بالآخر سید صاحب کا پہلا حملہ ۲۰ جمادی الاول ۱۲۴۲ھ/۲۱ دسمبر ۱۸۲۶ء کو ہوا اور آواخر ستمبر ۱۸۲۹ء کو پشاور فتح ہو گیا۔ سید صاحب کے نام کا خطبہ پڑھا گیا اور اللہ کی زمین پر نظام خلافت دوبارہ لوٹ آیا۔ قرون اولیٰ کے دور کی یاد تازہ ہوئی عمر بن عبدالعزیز کے جانشین نے پشاور کو خلافت کے طرز حکومت سے روشناس کرایا مگر پشاور کے گورنر (یار محمد خان نے جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کی طرف سے پشاور کا گورنر تھا) کے بھائی سلطان محمد خان نے سید صاحب سے حکومت پشاور کی درخواست کی جسے قبول کر لیا گیا اور پشاور کی حکومت سلطان محمد خان کو مل گئی۔

لیکن افسوس کہ سید صاحب کو وہابی مشہور کروا کے پٹھانوں میں ان کے خلاف نفرت پھیلا دی گئی اور اس اللہ کے نیک بندے کی معافی کو غلط جامہ پہنایا گیا اور علاقہ ستھ میں سید صاحب کے سینکڑوں ساتھیوں کو

مقامی آبادی نے راتوں رات ذبح کر دیا۔

سید صاحب نے فیصلہ کر لیا کہ اب کوئی اور جگہ مرکز کیلئے منتخب فرمائیں گے۔
فتح پشاور سے سولہ ماہ بعد اور عارضی حکومت قائم ہونے سے چار سال چار ماہ
بعد آپ نے رجب ۱۲۴۶ھ میں اس علاقے سے مراجعت کی، سکھ فوجیں انتظار
میں بیٹھی ہوئی تھیں، انہوں نے فوراً پشاور پر قبضہ کر لیا اور سید صاحب کا
راستہ روکنے کی کوشش کی لیکن سید صاحب خالصہ فوجوں کو شکست دیتے
ہوئے بالاکوٹ پہنچ گئے اسکے بعد کیا ہوا، حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب
رحمۃ اللہ علیہ، علماء ہند کا شاندار ماضی، جلد دوم، ص ۲۲۲ پر لکھتے ہیں:

برف باری نے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دی۔ یہیں ایک محفوظ میدان
منتخب کیا گیا اور جھونپڑیاں ڈال دی گئیں، مہاراجہ رنجیت سنگھ کا ولی عہد شیر سنگھ
بھی اس علاقہ میں پہنچا ہوا تھا، چند میل کے فاصلہ پر اس کی تقریباً بیس ہزار
فوج ڈیرے ڈالے ہوئے تھی۔ مگر سید صاحب کا لشکرگاہ پہاڑیوں کے بیچ میں
ایسے مقام پر تھا جہاں غنیم کا پہنچنا ناممکن تھا۔

مئی کا مہینہ آیا، برف باری بند اور لشکروں میں حرکت شروع ہوئی،
شیر سنگھ نے حملہ کرنا چاہا، مگر فوج کے گزرنے کا کوئی راستہ نہیں ملا۔ وہ
مجبور ہو کر واپس ہونے والا تھا کہ کچھ غداروں نے ایک نہایت مخفی راستہ
کا پتا بتا دیا۔ شیر سنگھ یا خالصہ فوج کے لئے نہیں بلکہ سامراج کے لئے فتح و

کامرانی کا نشان مل گیا، ابھی سید صاحب اور آپ کے ساتھیوں کو خبر بھی نہ ہونے پائی تھی کہ راستہ کی چوکی کے محافظ دستہ کو جام شہادت نوش کراتے ہوئے خالصہ کی ٹڈی دل فوج مجاہدوں کے سر پر پہنچ گئی۔ صرف ایک دلدل بیچ میں تھی جو دست بدست جنگ کے لئے آڑ تھی مگر سید صاحب کی ہمت مردانہ نے آڑ کو پھاند، مولانا اسمٰعیل صاحبؒ شہید اور دوسرے جانباز ساتھی بھی گھوڑے پھاند کر لشکرِ غنیم میں گھس گئے، اور دست بدست جنگ شروع کر دی لیکن غنیم کا لشکر اتنا زیادہ تھا کہ نہ ہمت مردانہ کام آسکی اور نہ ہی فوج پر کنٹرول باقی رہ سکا۔

سید صاحب اور مولانا اسمٰعیل صاحبؒ اور سینکڑوں ساتھی شہید ہوئے جو باقی رہے وہ ایسے منتشر ہوئے کہ شہیدوں کی تجہیز و تکفین بھی نہ کر سکے۔

مگر شیر سنگھ نے ان شہیدوں کا پورا احترام کیا، سید صاحب کی نعش کو قیمتی دوشالہ اوڑھایا گیا۔ سکھ فوج کے مسلمان سپاہیوں نے نمازِ جنازہ ادا کی۔ پھر فوجی اعزاز کے ساتھ آپ کو سپردِ خاک کیا گیا۔

تاریخ حریت کا یہ وحشت ناک حادثہ ۲۴۔ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ/۷ مئی ۱۸۳۱ء کو پیش آیا۔

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ پر مطاعن کا جواب

۱۔ پہلا اعتراض یہ ہے کہ تقویۃ الایمان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھائی کہا ہے۔

اس اعتراض کی بنا یہ ہے کہ شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تمام عبارت اور اصل کلام کو بے ربطگی سے پیش کیا ہے۔ حالانکہ در اصل انھوں نے مشکوٰۃ شریف باب عشرت النساء کی ایک حدیث نقل کی ہے جس میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو بھائی کہا ہے تو سید صاحبؒ نے اس بات کی وضاحت میں لکھا ہے کہ:

"انسان آپس میں سب بھائی ہیں، جو بڑا بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے جس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجئے اور مالک سب کا اللہ تعالیٰ ہے بندگی اسی کو چاہیئے۔"

اب یہ بھائی انھوں نے کس معنی میں کہا، عقل سے کام لیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھائی سے مراد یہ لے رہے ہیں کہ سبھی انسان چونکہ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اس لئے سب آپس میں بھائی بھائی ہوئے۔ اور یہی نہیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی متعدد مواقع پر اپنی ذاتِ اقدس کے لئے بھی بھائی کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

۱۔ مشکوٰۃ شریف کتاب الطہارۃ میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا تم تو میرے

صحابی ہو اور ہمارے بھائی تو وہ مسلمان بھی ہیں جو ابھی دنیا میں نہیں آئے۔

۲۔ زرقانی کی تیسری جلد میں لکھا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فداہ امی وابی نے اپنے آپ کو حضرت ابوبکرؓ کا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی قرار دیا۔

قرآن حکیم نے متعدد مواقع پر یہ لفظ استعمال کیا ہے۔ مثلاً فرمایا:

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ ھُوْدًا ـــــ اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود علیہ السلام کو بھیجا۔

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا ـــــ اور مدین والوں کی طرف ان کے بھائی شعیب علیہ السلام کو اور کئی ایک دیگر مواقع پر انبیاء علیہم السلام کو ان کی مشرک و کافر اقوام کا بھائی قرار دیا گیا ہے تو اس سے مراد کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ یہاں بھائی سے مراد ایک ہی قوم یا نوع انسانی سے ہی ہوتا ہے کہ جس طرح کافر بھی نوع آدمؑ کی اولاد میں سے تھے اسی طرح انبیاء علیہم السلام بھی انسان ہی تھے۔

رہ گئی یہ بات کہ شاہ صاحبؒ نے یہ لفظ ذات اقدس کے لئے استعمال کیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ان کے خیالات کیا تھے کاش معترضین نے تقویۃ الایمان میں اس عبارت کو بھی پڑھ لیا ہوتا۔

"ہمارے پیغمبرؐ سارے جہان کے سردار ہیں ان کا مرتبہ سب سے

بڑا ہے اور اللہ کے احکام پر سب سے زیادہ قائم ہیں اور اللہ کی
راہ سیکھنے میں سب ان کے محتاج ہیں۔"

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں :
"سب اولیاء انبیاء کے سردار پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔"

شاہ صاحب پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ انہوں نے ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ، نعوذ باللہ من ذٰلک، چمار سے زیادہ ذلیل لکھا ہے
اس اعتراض کو جہاں سے پیدا کیا گیا ہے، ذرا وہ اصل عبارت ملاحظہ فرمائیں :

"اللہ نے لقمان کو عقلمندی دی تھی سو انہوں نے سمجھا کہ بے انصافی یہی ہے کہ کسی کا حق کسی کو پکڑا دینا اور جس نے اللہ کا حق اس کی مخلوق کو دیا تو بڑے سے بڑے کا حق لے کر ذلیل سے ذلیل کو دے دیا جیسے بادشاہ کا تاج ایک چمار کے سر پر رکھ دیجئے۔ اس سے بڑی بے انصافی کیا ہو گی اور یقین جان لینا چاہیئے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے۔" (تقویۃ الایمان، ص ۱۳)

اس عبارت میں دیکھ لیجئے کہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ادنیٰ سا اشارہ بھی ملتا ہے، پھر خواہ مخواہ اللہ کے ایک مخلص اور مقرب بندے پر الزام لگائے چلے جانا کہاں کی دانشمندی ہے۔ اس عبارت میں یا تقویۃ الایمان میں جہاں بھی یہ چوہڑے چمار کا لفظ استعمال ہوا ہے تقویۃ الایمان کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ :

"جو ہزارے چار سے بدعتیوں کے زندہ پیر منظور (مراد) ہیں"۔

بس اصل مصیبت تو یہ ہے کہ شاہ صاحبؒ بدعتی پیروں کو کیوں چوہڑا کہہ دیا اور کیوں تصوّف کی جھوٹی دکانوں کا بھرم کھول دیا؟ اب اگر یہ پیر اپنی عزت کے متعلق کچھ کہتے تو بھلا کون سنتا اسلئے سوچا کہ چلو رسول اللہؐ کے نام پر لوگوں کو اشتعال دلاؤ، تاکہ اپنی عزت بھی بچ جائے، اور اسی لئے اُن کا نام نامی اسمِ گرامی استعمال کیا۔

شاہ صاحب اکیلے ہی ایسی بات لکھنے والے نہیں ہیں ان سے بہت عرصہ قبل اکابر صوفیہ ہمیشہ یہ باتیں کہتے رہے ہیں، اسلئے معترضین کو چاہیئے کہ پھر ان کو بھی متہم کریں۔ مثلاً: شیخ شہاب الدین سہروردی بانی سلسلۂ سہروردیہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور زمانہ کتاب عوارف المعارف میں لکھتے ہیں:

"کسی انسان کا ایمان اسوقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک اس کو سارے لوگ اونٹ کی مینگنی کی طرح ذلیل نہ دکھائی دیں"۔

حضرت نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ایمان کسی تمام نہ شود تا ہمہ خلق در نزدیکی او ہچو پشک شتر نہ نماید"

کسی انسان کا ایمان اسوقت تک کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ تمام مخلوق اسکے نزدیک اونٹ کی مینگنی کے برابر نہ ہو جائے۔

حضرت امیر حسن سنجری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"آدمی کا ایمان اسوقت تک کامل نہیں ہوسکتا جب تک اسکی نگاہ میں تمام مخلوق مچھر سے بھی کم حقیقت نہ ہو جائے۔"

اب خود ہی انصاف کرنا چاہیئے کہ شاہ صاحب کی عبارت سے تو کہیں زیادہ یہ عبارات سخت ہیں، جن میں اونٹ کی مینگنیوں اور مچھروں کا ذکر ہے، تو معترضین حضرات عبارات پر کیوں اعتراض نہیں کرتے؟ صرف اس لئے کہ ان کا نام بیچ کر کھایا جاتا ہے یا پھر اسلئے کہ شاہ صاحب نے بدعات کے خلاف جہاد کرکے احیائے سنّت کی کوشش کی۔

اس سلسلے میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آخر پر حضرت قطب العالم مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتویٰ نقل کردیا جائے جو اسی عبارت کے متعلق ہے فرماتے ہیں:

اس عبارت سے مراد حق تعالیٰ کی بے نہایت بڑائی ظاہر کرنا ہے کہ حق کی سب مخلوقات اگرچہ کسی درجہ کی ہو اس سے کچھ مناسبت نہیں رکھتی۔ کمہار لوٹا مٹی کا بنادے۔ اگرچہ خوبصورت پسندیدہ ہو، اسکو احتیاط سے رکھے مگر توڑنے کا

بھی مختار ہے، اور کوئی مُساوات کسی وجہ سے لوٹے کو کمہار سے نہیں ہوتی، پس حق تعالیٰ کی ذاتِ پاک جو خالق محض قدرت سے ہے، اسکے ساتھ کیا نسبت و درجہ کسی خلق کا ہو سکتا ہے۔ چمار کو شہنشاہ دنیا سے اولادِ آدم ہونے میں مناسبت و مساوات ہے اور شہنشاہ نہ خالق و رازق چمار کا ہے تو چمار کو تو شہنشاہ سے مساوات بعض وجوہ سے ہے بھی مگر حق تعالیٰ کے ساتھ اسقدر بھی مناسبت کسی کو نہیں کہ کوئی عزت برابری کی نہیں ہو سکتی۔ فخرِ عالم علیہ السلام باوجودیکہ تمام مخلوق سے برتر و معزز و بے نہایت عزیز ہیں کہ کوئی مثل ان کے نہ ہوا نہ ہوگا۔ مگر حق تعالیٰ کی ذات پاک کے مقابلہ میں وہ بھی بندۂ مخلوق ہیں تو یہ سب حق ہے مگر کم فہم اپنی کجی فہم سے اعتراض بیہودہ کرکے شانِ حق تعالیٰ کو گھٹاتے ہیں اور اس کا نام حُبِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکھتے ہیں۔

کتابت : عبد العزیز راولپنڈی۔ تزئین : عبد الحفیظ
طابع و مطبع : حافظ شفیق الرحمٰن، ایس ٹی پرنٹرز، راولپنڈی
تاریخ طباعت : مئی ۱۹۸۱ء۔ بار اوّل ۔ تعداد : دو ہزار